جوش کی
انقلابی نظمیں

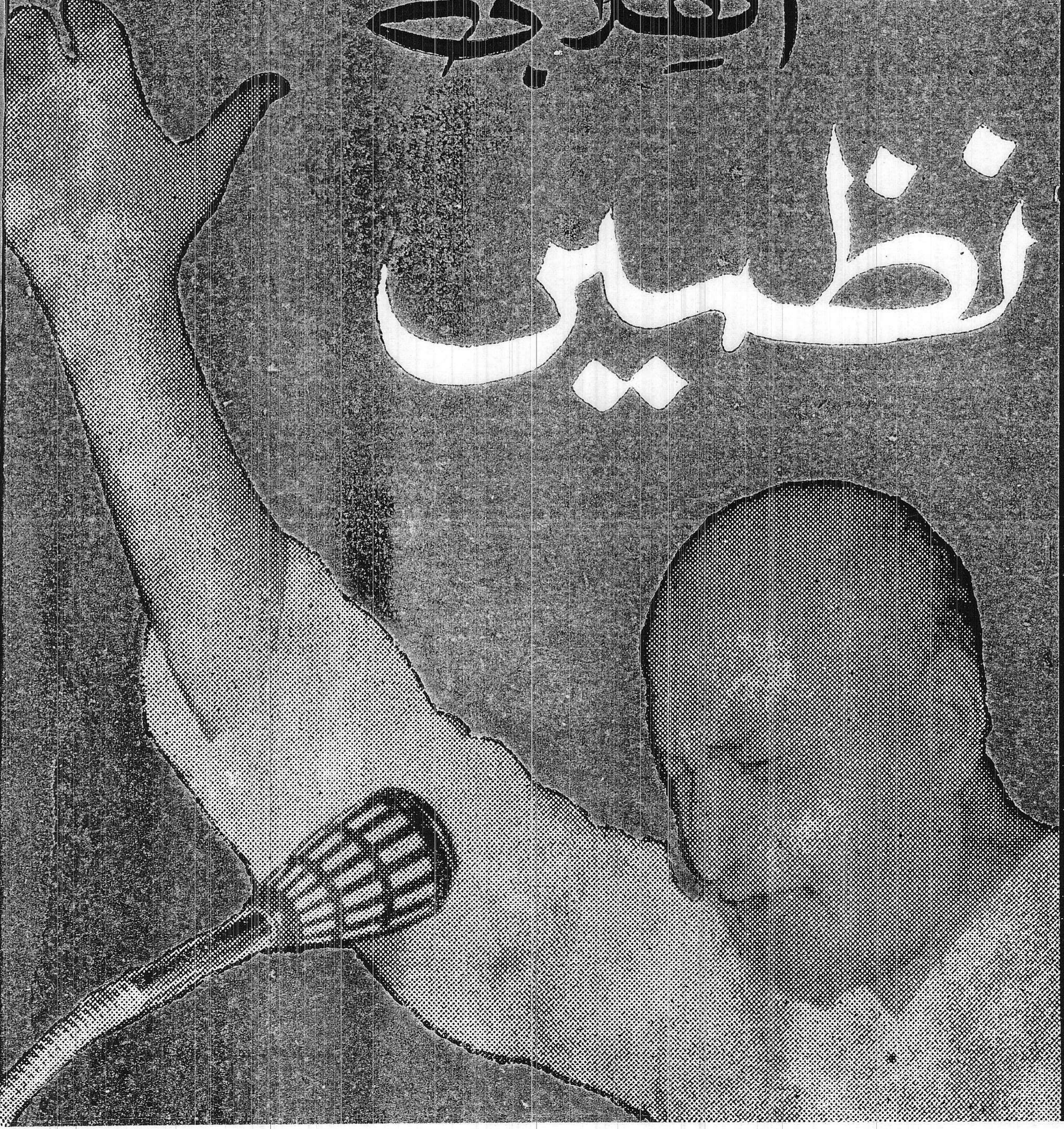

55/PL480

حقوق اشاعت بحق مرتب محفوظ

PK
2199
J6
J67
1982

ناشر : ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی

بہ اہتمام : وائی آسی۔ مکتبہ دین و ادب۔ لکھنؤ

طابع : تنویر پریس۔ لکھنؤ

قیمت : بیس روپے

چھاپ : مارچ ۱۹۸۲ء

ملنے کا پتہ

مکتبہ دین و ادب ۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

UNIVERSITY

غلاموں سے خطاب[1]

اے ہند کے ذلیل غلامانِ روسیاہ
شاعر سے تو ملاؤ خدا کے لیے نگاہ

اس خوفناک رات کی آخر سحر بھی ہے
توپیں گرج رہی ہیں سروں پر خبر بھی ہے

اے اُمّتِ شکستہ دل وائے گروہِ شل
کب سے بلا رہا ہوں میں تجکو سوئے عمل

تجھ پر مرے کلام کا ہوتا نہیں اثر
چونکا رہا ہوں کب سے میں شانے جھنجھوڑ کر

حالانکہ میرا شعر ہے وہ حرفِ تند و تیز
طوفان بدوش و صاعقہ پیمانِ حشر خیز

ضد پر جو آئے بات میں پتھر کو توڑ دے
صرف ایک صدا سے گنبدِ بے در کو توڑ دے

چاہے تو زمہریر سے اُڑنے لگیں شرار
گلبرگِ تر کے بطن سے پیدا ہو ذوالفقار

اُکسائے میرا شعر اگر جذبہ ہائے جنگ
پیدا ہو آبگینے کے اندر مزاجِ سنگ

خرمن میں میرا شعر اگر کج کرے کلاہ
خس تند بجلیوں سے لڑانے لگے نگاہ

آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے شراب
پیری کی ہڈیوں میں مچلنے لگے شباب

تجکو یقین نہ آئے گا اے دائمی غلام!
میں جا کے مقبروں میں سناؤں اگر کلام

خود موت سے حیات کے چشمے اُبل پڑیں
قبروں سے سر کو پیٹ کے مُردے نکل پڑیں

میرے رجز سے لرزہ بر اندام ہے زمیں
افسوس تیرے کان پہ جوں رینگتی نہیں

تو چپ رہا، زمیں ہلی، آسماں ہلا
تجھ سے تو کیا، خدا سے کروں گا میں یہ گلا

اِن بزدلوں کے حسن پہ شیدا کیا ہے کیوں؟
نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں؟

---

[1] شعلہ و شبنم ۔ ص ۳ ۔

کسان

جھٹپٹے کا نرم رو دریا، شفق کا اضطراب
کھیتیاں، میدان، خاموشی، غروبِ آفتاب
دشت کے کام و دہن کو دن کی تلخی سے فراغ
دور دریا کے کنارے دھندلے دھندلے سے چراغ
زیرِ لب، ارض و سما میں، باہمی گفت و شنود
مشعلِ گردوں کے بجھ جانے سے اک ہلکا سا دود
وسعتیں میدان کی سورج کے چھپ جانے سے تنگ
سبزۂ افسردہ پر، خواب آفریں ہلکا سا رنگ
خامشی اور خامشی میں سنسناہٹ کی صدا
شام کی خنکی سے گویا، دن کی گرمی کا گلا
اپنے دامن کو برابر قطع سا کرتا ہوا
تیرگی میں کھیتیوں کے درمیاں کا فاصلہ
خار و خس پر ایک درد انگیز افسانے کی شان
بامِ گردوں پر کسی کے روٹھ کر جانے کی شان
دوب کی خوشبو میں شبنم کی نمی سے اک سرور
چرخ پر بادل، زمیں پر تتلیاں، سر پر طیور
پارہ پارہ ابر سرخی، سرخیوں میں کچھ دھواں
بھولی بھٹکی سی زمیں، کھویا ہوا سا آسماں

پتیاں مخمور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہوئی
نرم جاں پودوں کو گویا نیند سی آتی ہوئی
یہ سماں، اور اک قوی انسان یعنی کاشتکار
ارتقا کا پیشوا تہذیب کا پروردگار
جس کے ماتھے کے پسینے سے پئے عز و وقار
کرتی ہے دریوزۂ تابش کلاہِ تاجدار
سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی
جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی
جس کی محنت سے پھبکتا ہے، تن آسانی کا باغ
جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدن کا چراغ
جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار
جس کے کس بل پر اکڑتا ہے غرورِ شہریار
دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ، پر مشقت کے نشاں
کھیت سے پھیرے ہوئے منہ گھر کی جانب ہے رواں
ٹوکرا سر پر، بغل میں پھاوڑا، تیوری پہ بل
سامنے بیلوں کی جوڑی پشت پر مضبوط ہل
کون ہل؟ ظلمت شکن، قندیلِ بزمِ آب و گل
قصرِ گلشن کا دریچہ، سینۂ گیتی کا دل
خوشنما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ
خاندانِ تیغِ جوہردار کا چشم و چراغ

دھار پر جس کی چمن پرور شگوفوں کا نظام
شامِ زیرِ ارض کو، صبحِ درخشاں کا پیام
ڈوبتا ہے خاک میں جو روح دوڑاتا ہوا
مضمحل ذرّوں کی موسیقی کو چونکاتا ہوا
جس کے چھو جاتے ہی مثلِ نازنینِ مہ جبیں
کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں
پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے چاک چاک
مسکرا کر اپنی چادر کو ہٹا دیتی ہے خاک
جس کی تابش میں درخشانی ہلالِ عید کی
خاک کے مایوس مطلع پر کرن اُمّید کی
طفلِ باراں، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستاں
ماہرِ آئینِ قدرت، ناظمِ بزمِ جہاں
ناظرِ گل، پاسبانِ رنگ و بو، گلشن پناہ
ناز پرور لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ
وارثِ اسرارِ فطرت، فاتحِ امید و بیم
محرمِ آثارِ باراں، واقفِ طبعِ نسیم
صبح کا فرزند، خورشیدِ زرافشاں کا علم
محنتِ پیہم کا "پیماں" سخت کوشی کی "قسم"
جلوۂ قدرت کا شاہد، حسنِ فطرت کا گواہ
ماہ کا دل، مہرِ عالم تاب کا نورِ نگاہ

قلب پر جس کے نمایاں، نور و ظلمت کا نظام
منکشف جس کی فراست پر مزاجِ صبح و شام
خون ہے جس کی جوانی کا بہارِ روزگار
جس کے اشکوں پر فراغت کے تبسم کا مدار
جس کی محنت کا عرق تیار کرتا ہے شراب
اُڑ کے جس کا رنگ بن جاتا ہے جاں پرورِ گلاب
قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رقیق
شعلہ خو جھونکوں کا ہمدم، تیز کرنوں کا رفیق
خون جس کا بجلیوں کی انجمن میں باریاب
جس کے سر پر جگمگاتی ہے کلاہِ آفتاب
لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو
جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو
دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر
سازِ دولت کو عطا کرتی ہے نغمے جس کی آہ!
مانگتا ہے بھیک تابانی کی جس سے روئے شاہ
خون جس کا دوڑتا ہے نبضِ استقلال میں
لوچ بھر دیتا ہے جو شہزادیوں کی چال میں
جس کا مَس ! خاشاک میں بنتا ہے ایک چادر مہین
جس کا لوہا مان کر، سونا اُگلتی ہے زمین

ہل پہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں
اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں
اُس سیاسی رتھ کے پہیوں پہ جمائے ہے نظر
جس میں آجاتی ہے تیزی کھیتیوں کو روند کر
اپنی دولت کو جگر پر تیرِ غم کھاتے ہوئے
دیکھتا ہے ملکِ دشمن کی طرف جاتے ہوئے
قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیٔ حرماں سے راہ
فاقہ کش بچوں کے دھندلے آنسوؤں پر ہے نگاہ
پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار
گھر کی نا اُمید بیوی کا شبابِ سوگوار
سوچتا جاتا ہے کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا
بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منہ اُترا ہوا
سیم و زر، نان و نمک، آب و غذا، کچھ بھی نہیں
گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں
ایک دل اور یہ ہجومِ سوگواری، ہائے ہائے
یہ ستم، اے سنگدل، سرمایہ داری ہائے ہائے
تیری آنکھوں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار
جس کے آگے خنجرِ چنگیز کی مڑتی ہے دھار
بیکسوں کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں تیرے ہات
کیا چبا ڈالے گی او کمبخت! ساری کائنات؟

ظلم، اور اتنا، کوئی حد بھی ہے اس طوفان کی
بوٹیاں ہیں تیرے جبڑوں میں غریب انسان کی
دیکھ کر تیرے ستم، اے حامئ امن و اماں!
گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں
اِدّعائے، پیروی، دین و ایماں اور تو!!
دیکھ اپنی کہنیاں، جن سے ٹپکتا ہے لہو

ہاں سنبھل جا اب کہ زہرے اہلِ دل کے آب ہیں
کتنے طوفاں تیری کشتی کے لیے بیتاب ہیں

۱؎ شعلہ و شبنم۔ ص ۱۹۔